ایں جلوہ گاہ کیست

ماہر القادری

لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک - ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک!

لیجیے حدود حرم سے بھی کچھ آگے نکل آئے۔ تلبیہ پڑھتے میں، آنکھیں بھی زبان اشک سے لے میں لے ملا رہی ہیں۔ مکہ کے قریب کے میدان اور پہاڑیوں کو دیکھ کر بار بار یہ خیال آ رہا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ادھر سے ضرور گزرے ہوں گے۔ کیا عجب ہے ان وادیوں میں سرکارؐ نے بکریاں بھی چرائی ہوں۔ نہ جانے اس سرزمین کے کون کون سے قطعے ہیں جو حضورؐ کی پابوسی کے شرف کو اپنی جبینوں اور سینوں میں محفوظ کیے ہوئے ہیں!

مکہ کی آبادی آ گئی۔ رات کا وقت ہے۔ ایسے میں جو ٹیلہ، جو پہاڑی اور جو مکان بھی نظر آتا ہے، عقیدت کہتی ہے کہ اسے دل میں اتار لیجیے۔ یہ لندن اور پیرس نہیں مکہ مکرمہ ہے۔ یہ بلد امین ہے۔ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں باپ بیٹوں نے اسی مقدس سرزمین پر کعبہ کی بنیادیں اٹھائی تھیں اور اس پاک اور مبارک شہر کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ یہ انسانیت کے محسن اعظم، دنیا کے سب سے بڑے آدمی اور نبیوں کے خاتم محمدؐ عربی (فداہ ابی و امی) کا مولد و منشا ہے۔ زمانہ کی قدر ناشناسی اور دنیا کی غفلت کے ہاتھوں انسانی مجد و شرف کی تاریخ یا تو لوگوں نے بھلا دی تھی یا پھر اسے مسخ کر دیا تھا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کی تاریخ کا پہلا ورق اسی سرزمین پر مرتب ہوا۔ اسی شہر میں حق کی وہ آواز بلند ہوئی جس نے باطل کے جسم میں تھرتھری پیدا کر دی۔ یہ تاریخی شہر نہیں بلکہ خود "تاریخ ساز" شہر ہے۔ اس شہر پر تاریخ کا ذرہ برابر بھی احسان نہیں ہے بلکہ خود تاریخ پر اس شہر کا احسان ہے، تاریخ اس شہر سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ اگر تاریخ سے "مکہ" کو نکال دیا جائے تو پھر تاریخ میں رہ کیا جائے گا!

مکہ مکرمہ کی آبادی میں دس بجے پہنچ گئے مگر معلمین کے مکانوں پر زائرین کے سامان اتارے جانے کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے تو رات کے تین بج گئے۔ سب کے بعد ہمارا نمبر آیا۔ جلد جلد وضو کر کے عشاء کی نماز معلم کے مکان پر پڑھی۔ عجلت اس بات کی تھی کہ حرم شریف میں جلد سے جلد حاضری ہو جائے!

مطوف آگے آگے ہے اور ہم حرم شریف کی طرف جا رہے ہیں۔

پائم بہ پیش از سر ایں کو نمی رود!
یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست

میرا پاؤں اس کوچے کے سرے سے آگے نہیں جاتا۔ یاروں کو خبر دو کہ یہ کس کی جلوہ گاہ ہے۔

"باب السلام" سے داخلہ ہوا اور بیت اللہ پر نگاہ پڑتے ہی زبان پر تکبیر جاری ہو گئی!

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر!

جلال و ہیبت اور جبروت کا سامنا ہے۔ ایک عالم گو مگو اور ایک کیفیت بے نام ہے جو طاری ہوتی چلی جا رہی ہے ۔

محو کھڑا ہوا ہوں میں حسن کی بارگاہ میں
اب نہ کہیں نگاہ ہے، اب نہ کوئی نگاہ میں!

یااللہ! میں کہاں آگیا! یہ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں! مجھ سا پلید اور حرم مقدس میں! مجھ سا خطاکار، گناہ گار اور معاصی سرشت اس مقام پر جہاں ہر زمانے کے پاکبازوں اور نیکوکاروں نے سجدے اور طواف کیے ہیں۔ یہ پیروں سے نہیں، سر کے بل چلنے کا مقام ہے۔ یہاں کا جتنا بھی احترام کیا جائے، تھوڑا ہے۔ ہمہ شمہ کا کیا ذکر ہے۔ اللہ کے جس گھر کا خود حضور سید المرسلین، **خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام** نے طواف کیا ہو، جہاں حضور نے نمازیں پڑھی ہوں اور رو رو کر دعائیں مانگیں ہوں، وہاں مجھ جیسے نابکار کی حاضری ایک معجزے سے کم نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جب فضل فرماتا ہے تو ایسے معجزے ظہور میں آتے رہتے ہیں!

کہاں بلایا گیا ہوں --- **العظمتہ للّٰہ** ؏

کلاہ گوشہ دہقاں بہ آفتاب رسید

اور

اک اک قدم پہ سجدۂ شکرانہ چاہیے!

جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو نصیب اسی طرح جاگا کرتے ہیں اور حقیر ذروں کو درخشانی اور ذلیل خار و خس کو رعنائی دی جاتی ہے۔ داتا جب دینے پر آئے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ اس کے جود و عطا ہم دنیا والوں کے قانون اور ضابطے کے پابند نہیں ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس شہنشاہ حقیقی کے دربار سے کس کو کیا دیکھ کر نوازا جاتا ہے۔ جو انسان نفس اور روح کی ماہیت کو نہ سمجھ سکا اور خود اپنے جذبات اور محسوسات کا تجزیہ نہ کر سکا، وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کی پرچھائیں کو بھی بھلا پا سکتا ہے! بندے کا کام صرف سمع و اطاعت ہے۔ اسرار و غیوب کے حجابات، اٹھانے کی فکر میں لگے رہنا، بندے کا منصب ہی نہیں ہے!

اب ہم اس مقام (بیت اللہ) کا طواف کر رہے ہیں، جس کی طرف ساری عمر نمازیں پڑھی ہیں اور بچپن میں کعبہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر قسمیں بھی کھائی ہیں۔ خوش قسمتی سے وقت ایسا ملا کہ شمع کے گرد پروانوں کا بہت زیادہ ہجوم نہیں ہے۔ اس لیے حجر اسود کے چومنے کا موقع بھی تھوڑی سی جدوجہد کے بعد مل گیا۔ حجر

اسود پر نگاہ پڑتے ہی حضرت عمر فاروقؓ کا وہ قول یاد آگیا کہ: "اے اسود! تو بس ایک پتھر ہے تو نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع! میں تجھے اس لیے چومتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے ہوئے دیکھا ہے"۔

اسلام کا یہی وہ مقام توحید ہے جہاں دوسرے مذاہب گرد منزل اور غبار راہ نظر آتے ہیں۔ توحید کے معاملے میں اسلام جذب و شوق کے کسی تقاضے کے لیے ذرا سی بھی رعایت دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ غلط کہتے ہیں جو بھی کہتے ہیں کہ عشق شریعت کے حدود توڑ دیتا ہے۔ اس قسم کا عشق سنیاسیوں اور بیراگیوں کے یہاں مقبول ہو سکتا ہے مگر اسلام میں ٹھکرا دینے کے قابل ہے!

یہ رکن عراقی ہے، یہ رکن شامی اور رکن یمانی ہے، یہ حطیم ہے، یہ میزاب رحمت ہے، یہ مقام ابراہیم ہے، یہ باب کعبہ ہے، یہ ملتزم ہے--- یااللہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ مجھ سے تو کسی ایک مقام تجلی کی تعظیم کا تھوڑا سا حق بھی ادا نہیں ہو رہا ہے۔ یہاں تو ہر بن مو کو سراپا محویت و استغراق ہو جانا چاہیے تھا۔ خدانخواستہ میں منافق تو نہیں ہو گیا؟ اے میرے پتھر دل! نرم ہو جا۔ پگھل اور اتنا پگھل کہ غلاف کعبہ پر تیرے خون کی سرخی نظر آنے لگے۔ ارے کم بخت اس سے زیادہ خشیت و تواضع اور توجہ الی اللہ کی گھڑی اور کب آئے گی! اے غفلت کوش اور غفلت شعار! یہاں بھی اگر بیدار نہ ہوا تو پھر تیرے لیے ابد تک موت ہے!

ایک عجیب عالم میں مطاف کے سات شوط (چکر) پورے کیے اور اس کے بعد حجر اسود کو چوما اور وہاں سے مقام ابراہیم پر آکر دو رکعت پڑھیں اور پھر ملتزم پر پہنچے۔

اے میرے دل، خدا کے لیے چونک! اور دل چونکنے لگا۔ اے میری آنکھو! اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ آج آنسو بہانے میں کمی نہ کرنا اور آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔ ملتزم پہنچ کر اللہ کا فضل ہے کہ آنکھوں نے دل کا بہت کچھ غبار دھو دیا۔ ان لمحوں کی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی! دعا نہیں دعائیں کیں۔ دیر تک، بہت دیر تک--- ملتزم سے چمٹ کر، غلاف کعبہ کے سائے میں۔ توبہ، استغفار، عفو و رحمت کی طلب۔ آیندہ اچھی زندگی گزارنے کا عہد و پیمان۔ اپنے لیے اور ماں باپ کی مغفرت کے لیے۔ عزیزوں اور دوستوں کے لیے دعائیں۔ کیا عجب ہے کہ اللہ کی رحمت میرے بھکاریوں جیسے عجز و تذلل اور مجرموں جیسی ندامت و بدحواسی کو دیکھ کر مسکرا دی ہو!

ملتزم کے بعد حطیم میں پہنچ کر میزاب رحمت کے سائے میں دعا کی۔ پھر چاہ زمزم پر آئے اور خوب سیر ہو کر زمزم پیا اور سر پر بھی ڈالا۔ علم نافع اور رزق واسع کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی۔ یہاں سے چل کر مسعیٰ پہنچے۔ صفا اور مروہ کے درمیان لوگ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سعی کر رہے تھے۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ یہ وہی صفا ہے جس پر چڑھ کر حضورؐ نے قریش کے سامنے توحید کی دعوت

پیش کی تھی۔ اسی صفا اور مروہ کے درمیان حضرت ہاجرہ اپنے اکلوتے بچے اسماعیل (علیہ الصلوۃ والسلام) کے لیے پانی کی تلاش میں سات مرتبہ آئیں گئیں۔ ان کی یہ سعی اضطراب اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی یہاں تک کہ وہ حج کے ارکان میں شامل کر لی گئی۔

بارگاہ اقدس میں

قصد ہے اور کہاں حاضری کا قصد ہے؟ وہاں کا جہاں کی تمنا اور آرزو نے بزم تصور کو سدا آباد رکھا ہے۔ خوشی کی کوئی انتہا نہیں۔ جسم کے روئیں روئیں سے مسرت کی خوشبو سی نکل رہی ہے۔ خوشی کے ساتھ ساتھ دل پر ایک دوسرا عالم بھی طاری ہے۔ یہ چہرہ جس پر گناہوں کی سیاہی پھری ہوئی ہے کیا حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے مواجہ شریف میں لے جانے کے قابل ہے۔ اے آلودۂ گناہ! اے سر تابقدم معصیت! اے مجسم گندگی! اے غفلت شعار! ان کے حضور جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد پاکی، تقدیس، عصمت اور عظمت بس انھی کو سزاوار ہے۔ کس منہ سے روضہ اقدس کے سامنے "السلام علیکم یارسول اللہ" کہے گا۔ اس زبان نے کیسی کیسی فحش باتیں کی ہیں۔ ان لبوں کو کتنی بری بری باتوں کے لیے جنبش ہوئی ہے۔ ان آنکھوں نے کیسی کیسی قانون شکنیاں کی ہیں۔ اے نافرمان غلام، اپنے آقا کے دربار میں جانے کی جرات کس برتے پر کر رہا ہے؟ ان کی اطاعت سے کس کس طرح سے گریز کیا جا رہا ہے۔ ان کے حکم کو کس کس عنوان سے توڑا ہے۔ ان کے اسوۂ حسنہ سے تیری زندگی کو کوئی دور کی بھی نسبت نہیں رہی ہے!

اے روسیاہ! تیرے برے اعمال حضورؐ کی روح مقدس کو اذیت ہی پہنچاتے رہے ہیں۔ یہ تو پاکوں اور نیکوں کی سرزمین ہے۔ یہاں تجھ جیسے گندے آدمی کا کیا کام؟ مگر شرم و ندامت کے اس احساس کے ساتھ معاً یہ خیال بھی آیا کہ میرے آقا رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین بھی تو ہیں، گناہ گاروں اور سیاہ کاروں کی جائے پناہ اور ہے کہاں؟ ان سے شفاعت نہ چاہیں تو اور کس سے چاہیں۔ قیامت کے دن لواء الحمد انھی کے ہاتھ میں ہو گا۔ تمام انبیا "نفسی نفسی" کہتے ہوں گے مگر "امتی امتی" صرف انھی کی زبان دہراتی ہو گی۔ ہزار نافرمان اور لاکھ گناہ گار سہی، مگر کہلاتے تو انھی کے ہیں۔ یہ کوئی معمولی نسبت ہے؟ ع

ذرۂ آفتاب تابانیم

نیکوں کی تو سبھی جگہ پوچھ ہوتی ہے۔ بروں کو تو انھی کے دامن رحمت میں پناہ ملتی ہے۔ ہم جیسے گناہ گاروں، سیاہ کاروں اور غفلت شعاروں کی بخشش ہی کے لیے حضورؐ راتوں کو رو رو کر دعائیں مانگتے تھے۔ رافت اور رحمت کے جذبے کی کوئی انتہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رؤف و رحیم کے خطاب سے سرفراز کیا۔ جن کی ذات جمادات، نباتات اور چرند و پرند کے لیے رحمت ہے، کیا اپنے غلاموں اور امتیوں کے لیے رحمت نہ ہو گی؟ بے شک ہو گی اور سب کے مقابلے میں بڑھ کر ہو گی!

ماں باپ اپنی اولاد پر اتنی شفقت نہیں کر سکتے جتنی شفقت حضور رحمۃ للعالمین کی اپنے امتیوں پر رہی ہے۔ کیسے ہی نافرمان اور بدتوفیق سہی مگر نام لیوا تو انھی کے ہیں۔ کلمہ تو انھی کا پڑھتے ہیں۔ درود تو آپؐ ہی

پر بھیجتے ہیں۔ ہم لاکھ کمینے، اوچھے، کم ظرف اور نالائق سہی، لیکن جن کے ہم غلام ہیں، وہ تو سب کچھ ہیں۔ خدا کے بعد عظمت و برتری کا کون سا عنوان ہے جو حضورؐ کی ذات و صفات میں شامل نہیں ہے۔ جس نے خون کے پیاسے دشمنوں کو معافی دے دی، اس کی وسعت ظرف، مروت، عفو و کرم اور درگزر کی بھلا کوئی حد و نہایت ہے۔ مدینے کی طرف اپنے کو متقی نیکوکار اور پرہیزگار سمجھ کر ہم کب چلے تھے! اپنی پارسائی کا دعویٰ کسے ہے! یہاں تو بھاگے ہوئے غلاموں کی طرح حاضر ہوئے ہیں۔ ایک ایک آنسو کی بوند میں پشیمانی اور ندامت کے طوفان بند ہیں!

اسی عالم خیال و تصور میں "باب السلام" سے داخل ہوئے اور مسجد نبویؐ میں جا پہنچے۔ یہ سرو قامت ستون، یہ مصفا جھاڑ فانوس، یہ نظرافروز نقش و نگار، ایک ایک چیز آنکھوں میں کھبی جا رہی ہے۔ اور اس ظاہری چمک دمک سے بڑھ کر جمال و رحمت کی فراوانی جیسے مسجد نبویؐ کے در و دیوار سے رحمت کی خنک شعاعیں نکل رہی ہیں! ۔

دامان نگہ تنگ، گل حسن تو بسیار
گل چیں بہار تو زداماں گلہ دارد

تیرے حسن کے پھول اتنے زیادہ ہیں کہ میری نگاہ کا دامن انھیں سمیٹ نہیں سکتا۔ تمھاری بہار کے پھول چننے والے کو گلہ دامن سے ہے۔

کی معنویت آج سمجھ میں آئی۔ تجلیوں کا وہ ہجوم کہ آنکھیں جلوے سمیٹتے سمیٹتے تھکی جا رہی ہیں۔ یہاں کے انوار کا کیا پوچھنا۔ یہ آفتاب جہاں تاب بیچارہ اس جلوہ گاہ کے ذروں کا ادنیٰ غلام ہے!

دائیں بائیں، اوپر نیچے، ادھر ادھر روشنی ہی روشنی اور نور ہی نور، مگر لطف یہ کہ آنکھیں خیرہ نہیں ہوتیں۔ یہ آنکھوں کا نہیں، خود یہاں کی تجلیوں کا کمال ہے۔ صوفیہ کا قول ہے کہ "تجلی میں تکرار نہیں"۔ مگر اس مسئلے پر غور کرنے کی یہاں فرصت کسے ہے!

جب ہم مسجد نبوی میں حاضر ہوئے ہیں تو ظہر کی نماز تیار تھی۔ سنتوں کے بعد جماعت سے نماز ادا کی۔ کہاں؟ مسجد نبویؐ اور سجدہ گاہ مصطفویؐ میں! پیشانی کی اس سے بڑھ کر معراج اور کیا ہو گی؟

نماز کے بعد اب روضہ اقدس کی طرف چلے۔ حاضری کی بے انداز مسرت کے ساتھ اپنی تہی دامنی اور بے مائیگی کا احساس بھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ درود کے لیے آواز بلند ہوتے ہوتے بھنچ بھی جاتی ہے۔ قدم کبھی تیز اٹھتے ہیں اور کبھی آہستہ ہو جاتے ہیں۔ مواجہ شریف حاضر ہونے سے پہلے قمیص کے گریبان کے بٹن ٹھیک کیے، ٹوپی سنبھالی اور پھر۔

وہ سامنے ہیں، نظام حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

زائرین بلند آواز سے درود و سلام عرض کر رہے ہیں اور کتنے تو جالی مبارک کے بالکل قریب جا پہنچے ہیں

مگر اس کمینہ غلام کے شوق بے پناہ کی یہ مجال کہاں؟ چند گز دور ہی ستون کے قریب کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ باندھے ہوئے مگر نماز کی ہیئت سے مختلف! آہستہ آہستہ صلوٰۃ و سلام عرض کر رہا ہوں کہ حضورؐ کی محفل کے آداب کا یہی تقاضا ہے اور یہ آداب خود قرآن نے سکھائے ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللّٰہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللّٰہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یاخیر خلق اللّٰہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمۃ للعالمین

زبان سے یہ لفظ نکلے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے!--- صلوٰۃ و سلام عرض کر رہا ہوں مگر آواز گلوگیر ہوتی جا رہی ہے اور الحمدللہ کہ آنکھیں برس رہی ہیں۔ ندامت، مسرت اور عقیدت کے ملے جلے آنسو! نگاہیں روضہ مبارک کی جالیوں کو چوم رہی ہیں اور دل آنکھوں کو مبارک باد دے رہا ہے۔ زبان حال سے! آنکھوں کی اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے!

صلوٰۃ و سلام کے بعد دعا کی باری آئی۔ رحمت للعالمین کی بارگاہ اقدس ہے اور سرکار استراحت فرما رہے ہیں۔ مگر عرض معروض، التجا اور دعا تو اللہ تعالیٰ سے ہی کی جائے گی۔ سمیع و بصیر تو اسی کی ذات ہے۔ مشکلوں کو تو وہی کھولتا ہے۔ فریاد رس اس کے سوا اور ہے کون؟ پورا قرآن اس پر گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات حلال مشکلات اور دست گیر ہے۔ مدد صرف اسی سے چاہنی چاہیے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ ہی سے دعا مانگتے تھے اور اس عاجزی کے ساتھ مانگتے تھے کہ کوئی اتنا عجز و نیاز اور الحاح و تضرع پیش نہیں کر سکتا!

حضور کے مواجہ شریف میں دعا مانگی اور کعبہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگی۔ ملتزم پر جو گریہ و الحاح کی کیفیت پیدا ہوئی تھی اس سے کم کیفیت یہاں طاری نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک گناہ گار اپنا درد و غم پیش کر رہا تھا اور وہ بھی شفیع المذنبین کے مواجہ میں! مغفرت و رحمت کے دریچے کھل گئے ہوں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے! دل اگر آنسو بن کر بہہ جاتا تو دل کی یہ سب سے بڑی سعادت ہوتی۔ پھر بھی آنکھوں نے دعا کے آخری لفظوں تک ساتھ دیا۔ ہندستان کے مسلمانوں کی بے کسی اور مظلومیت کا ذکر زبان پر آتے ہی آنسوؤں کی روانی اور تیز ہو گئی اور ایسا محسوس ہوا جیسے دل کے ٹکڑے اڑے جا رہے ہیں!

عالم اسلام میں جو جماعتیں اقامت دین کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں ان کے لیے بھی دعا کی۔ اقامت دین کے داعی سید ابوالاعلیٰ مودودی کے لیے خاص طور سے دعا کی اور یہ بھی عرض کیا کہ تیرا یہ فرض شناس حقیر بندہ اور تیرے رسول کا فدائی امتی تیرے دین کی سربلندی کے لیے سب کچھ کر رہا ہے۔ اسے صبر و استقامت کی مزید توفیق عطا فرما اور اس کی زبان و قلم سے جو بھول چوک ہوئی ہے اسے معاف فرما دے۔

(انتخاب: کاروان حجاز، ۱۹۵۵)